دعاؤں کے سہارے سے اپنے نفس کے اندھیروں کو دور کرنے کی کوشش کریں۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 5 / اپریل 1996ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور انور نے درج ذیل آیات کریمہ تلاوت کی:

اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَ اَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ؕ فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَاۤ اِلَّا الدَّهْرُ ۚ وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ۝ (الجاثیہ: 25،24)

پھر فرمایا:

یہ آیات جن کی میں نے تلاوت کی ہے۔ سورۃ الجاثیہ کی چوبیسویں اور پچیسویں آیات ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ کیا تو نے ایسے شخص کی حالت پر بھی غور کیا ہے۔ جس نے خواہش نفس ہی کو اپنا معبود بنالیا ہو، اپنے نفس کی خواہش کو اِلٰهَهٗ اپنا معبود بنالیا ہو۔ وَ اَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ اور اللہ تعالیٰ نے اسے خاص علم کی بناء پر گمراہ ٹھہرایا ہو اور ایک دوسرا ترجمہ جو اس پہلے مضمون سے زیادہ مطابقت رکھتا ہے یا دونوں کو برابر بھی سمجھیں تو بیک وقت دونوں جائز بھی ہیں اور اس مضمون سے گہرا تعلق رکھنے والے تراجم ہیں وہ یہ ہیں۔ عَلٰى عِلْمٍ اپنے علم کے باوجود اس کو اندھا کر دیا ہو یعنی ایسا شخص جس نے اپنی خواہش نفس کو معبود بنالیا وہ علم کے باوجود اندھا ہوتا ہے۔ دیکھتے ہوئے دیکھ نہیں سکتا، سنتے ہوئے سن نہیں سکتا اور اس کے

دل ودماغ کی حالت یہ ہے کہ ویسے وہ غور کرنے کی قابلیت تو رکھتے ہیں مگر الٰہی مضامین پر اور روحانی مضامین پر غور سے بالکل عاری ہوتے ہیں۔

فرمایا اَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّ خَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ اور اس کی شنوائی پر بھی مہر لگا دی۔ وَ قَلْبِهٖ اور اس کے دل پر بھی وَ جَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً اور اس کی آنکھوں کے سامنے ایک پردہ ہے یا پردہ ڈال دیا فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ پس کون ہے جو اللہ کے بعد اس کو ہدایت دے۔ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ کیا تم نصیحت نہیں پکڑتے۔ وَ قَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَ نَحْيَا وہ لوگ جن کی تعریف کی گئی ہے یعنی جن کی صفت بیان فرمائی گئی ہے یہ وہ لوگ ہیں جو یہ کہتے ہیں حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَ نَحْيَا ہماری زندگی تو بس یہی کچھ ہے جو ہمارے سامنے ہے جس میں سے ہم گزر رہے ہیں۔ نَمُوْتُ وَ نَحْيَا ہم یہیں مرتے اور یہیں جیتے ہیں۔ مر کر دوبارہ جینے کی بات نہیں کرتے۔ کہتے ہیں یہی ہمارا مرنا، یہی ہمارا جینا ہے۔ وَ مَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ کوئی خدا نہیں ہے جو ہمیں موت دے گا زمانہ موت دیتا ہے۔ گزرتا ہوا وقت ہے جس کے نتیجے میں بالآخر ہر ایک نے مرنا ہی ہے۔ وَ مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ان کو حقیقت میں اس بات کا علم نہیں ہے کہ موت کا نظام ہے کیا اور کیسے موت آتی ہے اور کس طرح کام کرتی ہے۔ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ یہ محض اندازے لگا رہے ہیں۔ ان کے خیالات ہیں کہ ایسا ہوتا ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ موت کا فلسفہ بھی بہت گہرا فلسفہ ہے۔ اسے سمجھنا، اس کے عوامل پر غور کرنا، اس کے محرکات کو جانچنا اور علم رکھنا کہ موت کی راج دہانی کتنی وسیع ہے، کیسے کیسے کام کرتی ہے، کون سے قوانین اس راج دہانی میں جاری ہیں، ان کا ان کو کچھ علم نہیں ہے۔ صرف ایک اندازہ ہے کہ زمانے کے نتیجے میں مرورِ زمانہ سے لوگ مرہی جایا کرتے ہیں۔ تو کہتے ہیں ہم بھی اسی طرح اس دنیا میں رہیں گے اور اسی دنیا میں مر جائیں گے اور گویا پھر دوبارہ اٹھائے نہیں جائیں گے۔ یہ وہی مضمون ہے جو میں اس سے پہلے دوسری آیات کے حوالے سے شروع کر چکا ہوں اور ان کا آپس میں بہت گہرا تعلق ہے اور ایک دوسرے پر یہ مزید روشنی ڈالنے والی آیات ہیں۔

پہلی آیت جس کا حوالہ میں نے دیا تھا یا جس سے بات شروع کی تھی وہ تھی۔ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ بِقِيْعَةٍ (النور:40) وہ لوگ جو کافر ہوں جو خدا کا انکار

کردیں ان کے اعمال ایسے ہی ہیں جیسے ایک چٹیل میدان ہو اس میں دور کہیں پانی کا دھوکہ ہو جسے سراب کہتے ہیں اور زندگی بھر یہ لوگ اس پانی کی تلاش میں اس کے پیچھے سرگرداں دوڑے چلے جاتے ہیں اور بالآخر پیاس نہیں بجھتی۔ پس دنیا کی زندگی میں جو لوگ مگن ہیں جو کہتے ہیں یہی ہماری زندگی ہے ان کی یہی مثال ہے۔ عمر بھر وہ ایک ایسی پیاس کی طلب میں سرگرداں رہتے ہیں جس کی پیاس کبھی زندگی میں بجھ سکتی ہی نہیں۔ کوئی شخص بھی جو دنیا کی خواہشات کی پیروی کرنا اپنا مقصد بنالے اس کو کبھی عمر بھر وہ لمحے نصیب نہیں ہوتے کہ وہ کہے کہ ہاں میری تمنائیں پوری ہوگئیں، میری سب پیاس بجھ گئی۔ بلکہ جس قدر بجھتی ہے اس سے زیادہ بھڑک اٹھتی ہے۔ سمندر کا پانی پینے والی بات ہے یا پھر سراب کی پیروی ہے جیسا کہ قرآن کریم نے بیان فرمایا ہے۔ جوں جوں پانی قریب آتا دکھائی دیتا ہے اور جوں جوں انسان اس کی پیروی کرتا ہے وہ اور بھی پیچھے ہٹتا چلا جاتا ہے اور اس مقام کو پھر کبھی انسان نہیں پہنچ سکتا جہاں اسے پانی میسر آجائے اور پیاس بجھ جائے ہاں اللہ تعالیٰ کا حساب کا نظام اسے پہلے آلیتا ہے اور موت ایسی حالت میں واقع ہوتی ہے کہ ابھی اس کی پیاس تو بجھی نہیں مگر جو کچھ بھی اس نے کیا اس کا حساب دینے کے لئے تقدیر الٰہی اسے وہاں موجود دکھائی دیتی ہے۔

یہ جو مثال تھی میں نے کہا تھا یہ نفس کے اندھیروں کی مثال ہے جو انسان کے نفس کے اندر سے پیدا ہوتے ہیں مگر دیکھنے میں نظر کام کرتی ہے، نظر کے لئے روشنی جو ضروری ہے وہ بھی بظاہر موجود ہوتی ہے اور سب کچھ ہونے کے باوجود پھر دکھائی نہیں دیتا۔ ورنہ سراب تو چمکتے ہوئے سورج کے ساتھ دکھائی دیتا ہے جب ایسی تیز روشنی ہو کہ نظریں چندھیا جایا کرتی ہیں۔ تو اسے اندھیرا قرار دینا یہ معنوی لحاظ سے اور آخری مقصد کے لحاظ سے ہے یعنی تیز روشنی ہے اور پھر بھی صحرا کو انسان پانی سمجھ رہا ہے، تپتی ہوئی ریت کو انسان پانی سمجھ رہا ہے اور روشنی ہوتے ہوئے بھی اندھا ہے۔

چنانچہ یہ جو میں نے ترجمہ کیا تھا اس آیت کا جو میں نے تلاوت کی ہے کہ عَلٰی عِلْمٍ کا مطلب ہے اپنے علم کے باوجود وہ نہیں دیکھ رہا۔ اس کا اس آیت سے قطعی طور پر ایک تعلق ہے جو کھلم کھلا دکھائی دینے لگا ہے یعنی جب اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایسے شخص کی مثال ایسی ہی ہے جو جو اَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰی عِلْمٍ کہ اسے اللہ نے گمراہ اس طرح کیا ہے کہ علم ہے بھی اور پھر بھی گمراہ ہے ورنہ صاحب علم کو تو گمراہ نہیں کہا جاتا اور اس گمراہی کی جو تفصیل ہے وہ اسی آیت کے مضمون کو آگے بڑھا

کر دکھا رہی ہے۔ اس آیت کی تشریح میں ایک اور آیت میں نے آپ کے سامنے رکھی تھی جس میں بتایا تھا کہ وہ اندھیرے جو نفس سے پیدا ہوتے ہیں، جو اس آیت میں مذکور ہیں۔ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ ان اندھیروں کی تین حصوں میں تقسیم کر کے خدا تعالیٰ نے ایک اور آیت میں اس مضمون کو ہم پر خوب کھول دیا ہے۔ وہ ایک اندھیرا ہے لعب اور لہو کا۔ انسان کا دل بہلاوا خواہ وہ معصوم کھیلوں کی وجہ سے ہو یا نفس کی خواہش کو پورا کرنے کے لئے جنسی تعلقات وغیرہ قسم کی چیزیں اور جوّا بازی، یہ تمام لہو کے اندر چیزیں آتی ہیں جس سے انسان اپنے نفس کی پیاس کسی ذریعے سے بجھانے کی کوشش کرتا ہے، ایک بھڑکی سی لگی ہوتی ہے کہتا ہے میں کسی طرح اسے پورا کرلوں۔

لیکن دوسری قسم ہے زِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌ۔ اب لعب اور لہو والی جو قسم ہے اندھیرے کی اس کا زینت و تفاخر والی قسم سے کوئی براہ راست جوڑ نہیں ہے۔ یہ دو الگ الگ بیماریاں ہیں۔ کئی ایسے لوگ ہیں جو کھیل کود میں مصروف اور نفسانی خواہشات کو اپنا مقصد بنائے ہوئے ہوتے ہیں مگر ان کو زینت اور تفاخر کی ہوش نہیں ہوتی کیونکہ زینت اور تفاخر میں اپنے نفس کو ہمیشہ سجا کر رکھنا ہے۔ کوئی ضروری تو نہیں کہ ایک جوئے باز جس کی ھوی ہی جوا ہو وہ ہمیشہ سج دھج کر رہے یا ایک ایسا شخص جو کھلاڑی ہو وہ ہمیشہ بہت خوب صورت بن کے رہے۔ کئی کھلاڑی ہیں ان کو اپنے جسم، اپنے لباس کی ہوش ہی کوئی نہیں ہوتی مگر کھیل کے لئے وقف ہوتے ہیں تو دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ کچھ لوگ ہیں جن کو اپنے آپ کو ہمیشہ سجا کر رکھنا پیارا لگتا ہے وہ غریب بھی ہوں تو غریبانہ سجاوٹ کریں گے اس کے بغیر رہ نہیں سکتے۔ عورتوں میں سجاوٹ کا ایک طبعی مادہ ہے لیکن ہر عورت میں نہیں ہے۔ کئی ایسی ہیں جو سارا دن نہ گھر صاف کرتیں، نہ جسم صاف رکھتیں، نہ بال بناتی ہیں اور خاوند واپس آتے ہیں تو عجیب حالت میں وہ گھر کو پاتے ہیں گھر والی بھی اسی طرح بے ہنگم اور گھر بھی اسی طرح بے ہنگم اور بال بھی بکھرے ہوئے۔ بعض ایسی عورتوں کو یہ بھی ہوش نہیں ہوتی کہ باہر نکلیں تو پھر بھی ٹھیک ہو جائیں لیکن تفاخر والا جو مضمون ہے وہ زیادہ اہم ہے۔

زینت ہر انسان کی تمنا ہے۔ ہر مرد کی بھی اور عورت کی بھی لیکن ہر ایک میں نمایاں نہیں ہوتی۔ یہ آیت جو بیان فرما رہی ہے۔ یہ ان لوگوں کا حال بیان فرما رہی ہے جو زینت کو خاص اہمیت دیتے ہیں۔ گھر میں رہیں یا باہر ہمیشہ ان کو سجنا دھجنا اچھا لگتا ہے۔ بعض بچوں میں فطری طور پر یہ بات

پائی جاتی ہے۔ایک ایسا بچہ تھا جسے بچپن سے ایسا شوق تھا صاف ستھرا رہنے کا کہ اگر اس کے جسم پر ایک معمولی سا چھینٹا بھی کسی چیز کا پڑ جائے۔ مثلاً کھانا کھاتے ہوئے سالن کا،تو بھاگ کر وہ اپنے کمرے میں چھپ جاتا تھا۔ جب تک ماں اس کے کپڑے نہ بدلائے وہ روتا رہتا تھا۔ایک دفعہ میں گیا تو وہ لپک کر پیچھے چھپ گیا۔ میں حیران تھا کہ ہوا کیا اس کو۔تو اس کی اماں نے بتایا کہ اس کے کپڑوں پر ایک چھوٹا سا داغ پڑا ہوا ہے اور اچانک آپ آ گئے ہیں تو اس نے یہ سمجھ کر کہ اگر میں نے دیکھ لیا تو اس کا کیا بد اثر مجھ پر پڑے گا۔تو شرم کے مارے وہ چھپ گیا ہے۔اب اس میں بناوٹ کوئی نہیں تھی،تفاخر کوئی نہیں تھا لیکن زینت کی ایک لگن تھی جو طبعی طور پر دل میں موجود تھی۔تو مختلف انسان مختلف حالتوں میں پیدا ہوتے ہیں۔بعضوں کو زینت کا شوق ہے۔بعضوں کو پرواہ ہی کوئی نہیں اکھڑے پکھڑے حال میں رہتے ہیں، نہ لباس کی ہوش اور ویسے بڑے صاحب علم،صاحب وقار،صاحب مرتبہ، بڑے بڑے سائنس دان ہیں، بڑے بڑے فلسفی ہیں۔جن کو اپنے لباس کی کوئی ہوش نہیں تو الگ الگ فطرت کے تقاضے ہیں اور قرآن کریم نے ان سب تقاضوں کو جوڑے جوڑے کر کے ہمارے سامنے رکھ دیا۔

مگر زینت سے اگلا قدم ہے تفاخر کا۔اپنے نفس میں کوئی انسان اپنے آپ کو اچھا بنا کے رکھے یہ منع نہیں ہے بلکہ زینت کی تو خدا تعالیٰ تعریف فرماتا ہے اور ایسے لوگوں کا دفاع کرتے ہوئے فرماتا ہے قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ (الاعراف:33)۔

آنحضرت ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تو کہہ دے کہ کون ہے جو اس زینت کو حرام قرار دیتا ہے۔الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وہ زینت جسے خدا نے اپنے بندوں کی خاطر بنایا ہے، اپنے خاص بندوں کے لئے جو اسی کے ہوتے ہیں۔وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ اور کھانے پینے کی چیزوں میں سے جو اچھی چیزیں ہیں کون ہے جس نے ان کو حرام قرار دیا ہے۔مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ جو نیک بننے کی خاطر یا اپنے آپ کو نیک دکھانے کی خاطر بُرے لباس پہنتے ہیں، بے ہنگم لباس پہنتے ہیں تا کہ لوگ سمجھیں کہ یہ تو بڑا ہی پہنچا ہوا اور درویش ہے،اس کو تو ہوش ہی کوئی نہیں کہ کپڑے کیسے ہوتے ہیں اور اچھا کھانا دیکھا تو منہ پھیر لیا کہ جی ہمیں نہیں ان کھانوں سے کوئی دلچسپی، گھر میں جا کے کھالیں گے،لوگوں کے سامنے اچھا کھانا نہیں کھانا، یہ بھی تفاخر کی قسمیں ہیں۔

پس زینت کو غیر معمولی طور پر اختیار کرنا بھی ایک اندھیرا ہے اور زینت سے جہاں جائز ہو

وہاں منہ پھیرنا بھی ایک اندھیرا ہے۔ مَنۡ حَرَّمَ زِیۡنَۃَ اللّٰہِ الَّتِیۡۤ اَخۡرَجَ لِعِبَادِہٖ کون ہے جو یہ کہتا ہے کہ اللہ نے اپنے بندوں کے لئے جو زینت بنائی ہے وہ حرام ہے یا اچھے کھانے پیدا کئے ہیں تو نیک آدمی اس کو پسند نہیں کرتے۔ فرماتا ہے ہِیَ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا صرف آخرت میں نہیں اس دنیا میں بھی یہ دونوں چیزیں اللہ نے اپنے بندوں کی خاطر پیدا کی ہیں اور خَالِصَۃً یَّوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ لیکن قیامت کے دن صرف انہی کے لئے ہوں گی۔ وہ لوگ جو دنیا کی زینتوں میں، دنیا کے اعلیٰ کھانوں میں ان کے ساتھ یہیں شریک ہیں ان کے لئے، خدا نے پیدا نہیں کیا مگر نیک بندوں کا صدقہ وہ بھی کھا رہے ہیں۔ بنایا اپنے بندوں کے لئے ہے مگر وہ جو رفتہ رفتہ شیطان کے بندے بن جاتے ہیں وہ خوب فائدہ اٹھاتے ہیں ان سے بلکہ نیک بندوں سے زیادہ چھین کے لے جاتے ہیں۔ مگر فرمایا مرنے کے بعد ان کو کچھ نہیں ملے گا پھر۔ یہ چیزیں خالصۃً زینت اور اچھا طعام ان کے لئے ہوگا جو خدا کے حقیقی بندے ہیں۔ تو دیکھیں منع نہیں ہے زینت اور خدا تعالیٰ ناپسند فرماتا ہے اس بات کو کہ زینت کو حرام قرار دیا جائے مگر وہاں اس آیت میں اندھیروں کی مثال کے طور پر زینت کو بھی پیش فرمایا۔ وَّزِیۡنَۃٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَیۡنَکُمۡ وہ زینت جو مقصود بن جائے وہ گناہ ہے وہ زینت جو ایک دوسرے پر فخر کا موجب بنے یا ایک دوسرے پر فخر کی وجہ سے اختیار کی جائے وہ منع ہے۔

اور اگلا حصہ آیت کا ہے۔ وَتَکَاثُرٌ فِی الۡاَمۡوَالِ وَالۡاَوۡلَادِ مال میں اور اولاد میں بڑھنا اور تَکَاثُرٌ، ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرنا۔ اب مال کی تمنا بھی اپنی ذات میں منع نہیں ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے یَبۡتَغُوۡنَ فَضۡلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِضۡوَانًا (الحشر:9) وہ اللہ کے فضل یعنی یہاں مال مراد ہے، دنیاوی رزق کے لئے اللہ کی طرف جھکتے ہیں اور اسی سے رضوان چاہتے ہیں۔ اولاد کی بھی خواہش منع نہیں کیونکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ایسی عورتوں سے شادی کرو جو خوب بچے پیدا کریں تا کہ میری اُمت بڑھے اور یہاں بھی مقصد تفاخر نہیں ہے۔ تَکَاثُرٌ ان معنوں میں نہیں کہ لوگوں کے بچے کم ہو جائیں اور مر جائیں اور میری اُمت کے بڑھیں، مراد یہ ہے کہ نیک لوگ بڑھیں۔ اُمت محمدیہ تو وہ ہے جو آنحضرت ﷺ کے پیچھے چلنے والی ہے۔ یہاں نام کی اُمت ہرگز مراد نہیں، یہ ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ نام کی اُمت کا تو آنحضور ﷺ سے

کوئی بھی تعلق نہیں وہ تو شرم کا موجب ہیں۔اُمت محمدیہ سے مراد وہ حقیقی امت ہے جو اللہ کے عباد ہیں جو محمد رسول اللہ ﷺ کے توسط سے حقیقی عباد بن گئے۔آپؐ کی برکت سے لوگوں کو عبداللہ بننے کے گُر آ گئے، ایسے عباد اللہ ہیں جو محمد رسول اللہ ﷺ کی امت ہیں ان کو بڑھانے کے لئے آنحضرت ﷺ نے بھی دعا مانگی اور امت کو ہدایت بھی کی۔تو یہ ساری باتیں جو تین جوڑوں کی صورت میں آپ کے سامنے ہیں ان میں سے ایک بھی ایسی نہیں جو اپنی ذات میں گناہ ہو۔ ہر چیز وہ ہے جو فطرتاً، طبعاً انسان کے اندر رکھی گئی ہے اور اس کی حرمت فی ذاتہٖ کوئی بھی نہیں لیکن حرمت بنتی کب ہے۔ وہ آیت ہے جو میں نے آپ کے سامنے رکھی ہے اس میں یہی تین مضمون ہیں جیسے وہاں تین امور کا ذکر کر کے متنبہ فرمایا گیا تھا اس میں بھی تین باتیں بیان ہوئی ہیں۔

اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ کیا تو نے غور کیا ایک ایسے شخص کے اوپر جو اپنے نفس کی خواہشات کو معبود بنا بیٹھے، اس کے تابع ہو جائے، اس کا غلام بن جائے۔ایسی صورت میں لعب بھی حرام ہو جائے گی، لہو بھی حرام ہو جائے گی، ایسی صورت میں ہر قسم کی زینت بھی حرام ہو جائے گی اور زینت کے ساتھ تفاخر بھی حرام ہو جائے گا۔مال کی زیادہ کی خواہش بھی حرام اور اولاد کی زیادہ خواہش بھی حرام۔یہ ساری چیزیں تب حرام ہوتی ہیں جب قرآن کی اس آیت کی رو سے یہ معبود بن جائیں اور ھــــویٰ کا معبود بننا یہ سب سے بڑا اندھیرا ہے کیونکہ اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَ اَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ ایسے شخص کو علم ہو بھی تو اندھا ہوتا ہے، گمراہ ہو جاتا ہے۔ خَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ کان ہیں لیکن سننے کے کان نہیں ہیں۔دل ہے مگر غور کرنے کے قابل دل نہیں ہے۔آنکھیں ہیں مگر پردہ پڑا ہوا ہے تو تین اندھیرے ہی تو ہیں۔

ہمارے اندر روشنی کے داخل ہونے کے یہی تین رستے ہیں۔یعنی سماعت کی روشنی، علم کی روشنی جو سننے سے تعلق رکھتی ہے اور بصر کی روشنی جو دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے اور اس کے بعد غور کرنے کی صلاحیت، یہ وہ اندرونی روشنی ہے جو مختلف ان علوم کو جو کانوں کے ذریعے یا آنکھوں کے ذریعے انسان کے دماغ تک پہنچتے ہیں اور دماغ انہیں آپس میں جس طرح جانور جگالی کرتا ہے اس طرح ایک دوسرے کے ساتھ ملا کر، الٹ پلٹ کے ان سے نئے مضامین کے رس نکالتا ہے۔یہی تین ذریعے ہیں جو اس کو اندھیروں سے روشنی میں لاتے ہیں اور یہ سارے ذرائع اگر بند ہو جائیں تو

انسان روشنیوں سے اندھیرے میں چلا جاتا ہے۔ پس وہ تین اندھیرے جن کا ذکر پہلی آیت میں گزرا تھا وہی تین اندھیرے دوسری آیت میں اور طریق سے بیان کر کے دکھائے گئے، انہی تین اندھیروں کا ذکر اسی آیت میں ملتا ہے اور ان کی آخری صورت ہے کہ ان کو اپنا معبود نہ بنا بیٹھنا۔

اور پھر اس آیت میں ایک اور حسن یہ ہے کہ جو آیت میں نے آپ کے سامنے پہلے پڑھی تھی کہ جو تین حصے فرمائے گئے ہیں وہ انسانی زندگی کے تین مشاغل کی قسمیں ہیں جن میں انسانی زندگی ہمیشہ منہمک رہتی ہے۔ لہو ولہب تو ظاہر بات ہے جو Social Pursuits ہیں انسان کی اپنی ذات کو خوش رکھنے کے لئے جو مختلف قسم کے بہانے انسان نے تراشے ہوئے ہیں، ذرائع اختیار کئے ہوئے ہیں، ہر قسم کی زائد دلچسپیاں جو کھانے پینے کے علاوہ محض زندہ رہنے سے تعلق نہیں رکھتیں بلکہ زندگی کو ایک شغل میں ہمیشہ غرق کر دینے سے تعلق رکھتی ہیں۔ لعب میں غرق رہے یا لہو میں غرق رہے انسان ایک قسم کا ڈرگ (Drug) کا Adict ہو جاتا ہے اور اس کی زندگی سوائے اپنے آپ کو سکون بخشنے کے اور کچھ نہیں رہتی یا سکون کی تمنا میں ہمیشہ دوڑتے چلے جانے کے سوا اور کچھ نہیں رہتی۔

دوسرا مضمون ہے زِينَةٌ وَّتَفَاخُرٌ اس میں ہر قسم کے زیب و زینت کے سامان جتنی کاسمیٹک انڈسٹری ہے، مکانوں میں صرف ضرورت کی خاطر اضافے نہ کرنے بلکہ محض اس لئے کہ فلاں کے مکان سے زیادہ خوب صورت ہو اور اس سے زیادہ اونچا دکھائی دے اس طرح ایک دوسرے سے دوڑ شروع ہو جائے۔ یہ جو دوڑ ہے یہ بھی انسانی زندگی کو خاص مقاصد کے لئے وقف کر دیتی ہے اور ایسے لوگوں کو دوسری چیزوں کی ہوش نہیں رہتی۔

اور تَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ دراصل سیاسی غلبے سے تعلق رکھنے والا مضمون ہے کیونکہ قرآن کریم نے اموال اور اولاد کو دوسری آیات میں سیاسی غلبے سے باندھا ہے اور بڑے بڑے بادشاہوں کو، جب ان کے تکبر کا حال بیان فرمایا اس طرح ظاہر کیا گیا کہ ان کا فخر یہی تھا کہ ہماری اولاد زیادہ ہے، ہمارے اموال زیادہ ہیں۔ اموال والوں نے اپنے آپ کو سمجھا کہ ہم اموال کے ذریعہ ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ صاحب اولاد لوگوں نے سمجھا کہ اولاد کے ذریعے ہمارا غلبہ باقی رہے گا۔ تو نفس کی انا جو حکومت چاہتی ہے جو سیاست کے ذریعے یا حربی ذرائع سے ایک شخص یا ایک قوم کو دوسروں کا آقا بنا دیتی ہے۔ یہ وہ تمنا ہے جس کا تعلق اموال اور اولاد کی کثرت سے ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں بار ہا یہ مضمون بیان فرماتا ہے کہ ان لوگوں کو ان کے اموال اور اولاد کی کثرت نے اندھا کر دیا اور اس کے نتیجے میں وہ قہری بادشاہ بن کے ابھرے اور انصاف کا خون کرنے والے ہوئے کہ ان کی غرض سوائے حکومت کے اور کچھ نہیں تھی۔ تو اولاد سے مراد یہاں قوم کی کثرت ہے، اپنی اولاد صرف نہیں، وہ تو ہے ہی لیکن اس مضمون میں اولاد کا تعلق جمعیت سے ہے اور اولاد کا تعلق ایسے مالی ذرائع سے ہے جن کے نتیجے میں انسان ہمیشگی کی برتری حاصل کر لیتا ہے۔ وہ قومیں جو زیادہ مال دار ہوں وہ سمجھتی ہیں اب ہمیں دنیا میں کوئی مٹا نہیں سکے گا۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ۙ﴿۲﴾ الَّذِىْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ۙ﴿۳﴾ يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗٓ اَخْلَدَهٗ (الھمزہ: 2 تا 4) هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ جو لوگ ہیں یہ تفسیر پر دوبارہ جانے کی ضرورت نہیں ایسی قوم کا بیان ہے یا ہر ایسے شخص کا بیان ہے جو مال جمع کرتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ مَالَهٗٓ اَخْلَدَهٗ کہ اس کا مال اس کو ہمیشہ کی زندگی عطا کر دے گا۔

اب لوگ جانتے ہیں کہ مال سے ذاتی طور پر تو ہمیشہ کی زندگی نہ ملتی ہے، نہ کوئی سوچ سکتا ہے لیکن مال کے ذریعے قومی غلبہ ضرور ہوا کرتا ہے اور دولت مند قومیں سمجھتی ہیں کہ اب ہمیں دنیا میں کوئی مٹا نہیں سکتا کوئی انقلاب ایسا نہیں آ سکتا کہ ہم سے طاقت چھین کر نسبتاً غریب قوموں کے سپرد کر دی جائے۔ تو یہ بھی ایک طبعی حالت کے حد سے زیادہ تجاوز کر جانے کی وجہ سے بیماری بنتی ہے اور خلاصہ اس کا قرآن کریم نے یہ نکالا ہے جس نے اپنی خواہش کو اپنا خدا بنا لیا، جس کسی نے بھی اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا لیا اس کے تینوں علم کے رستے بند ہو جاتے ہیں اور اس سے بڑا اندھیرا اور کیا ہے کہ ایک اندھیرے کے بعد دوسرا، نہ کان سے سن سکے، نہ آنکھ سے دیکھ سکے، نہ دماغ اور دل سے غور کر سکے۔ تو وہ جو ظلمات ثلاث ہیں، کچھ باہر کی ہیں کچھ جسم کے اندر سے پیدا ہوتی ہیں اور ان پر آپ غور کر کے اپنی زندگی کو خدا تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کریں تو ہر ایسا موقع جس سے اندھیرا پیدا ہوتا ہے، ہر اس موقع سے روشنی بھی پیدا ہوتی ہے اور وہاں صحیح طریق اختیار کرنے کا نام ہی اندھیرے سے روشنی میں آنے کا نام ہے۔

پس یہ نفس کے اندھیرے ہیں اور ان اندھیروں سے متعلق خدا تعالیٰ نے دوسری جگہ بھی ہمیں یہی سمجھایا کہ جو ان اندھیروں میں مبتلا ہو جائے اللہ کے سوا پھر اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔

انسان کے بس کی بات ہی نہیں ہے کیونکہ عَلٰى عِلْمٍ یہ لوگ دیکھنے کے باوجود اندھیروں میں مبتلا ہوتے ہیں ان کو کیا دکھاؤ گے اور کیا سمجھاؤ گے؟ ان کی مزید تعریف یہ فرمائی کہ وہ کہتے ہیں کہ یہی دنیا کی زندگی ہے اسی میں ہم نے رہنا ہے، یہیں ہم نے مرنا ہے۔

پس آج کل خصوصیت سے جہاں مادّیت کا دور ہے جماعت احمدیہ کو اپنی تبلیغ کی راہ میں بھی سب سے بڑی مشکل یہی درپیش ہوتی ہے۔غریب ملک ہو یا امیر ملک ہو جہاں مادہ پرستی اور سیاسی غلبہ اور زیادہ اموال اور ایک دوسرے پر تفاخر کرنا اور لہو ولعب میں مبتلا ہونا یہ تینوں قسم کے اندھیرے قوم کے افق کو ڈھانپ لیں اور کوئی کسی طرف سے بھی روشنی کی امید دکھائی نہ دے ایسی قوم کو راہ حق کی طرف بلانا سب سے بڑا مشکل کام ہے کیونکہ ان کے دل کی آواز یہ ہوتی ہے کہ یہی تو زندگی ہے جس میں ہم نے رہنا ہے، سب کچھ یہی ہے، یہیں رہنا ہے یہیں مرنا ہے تو ہم کیوں ایک فرضی موت کے بعد کی زندگی کی خاطر اس دنیا کی لذّتوں کو چھوڑیں۔ایک فرضی موت کے بعد کی دنیا کے تصور میں اپنا یہاں محاسبہ شروع کریں اور بدیوں سے احتراز اور نیکیوں کی طرف رغبت کریں جو قربانی چاہتی ہیں۔عمر ضائع کرنے والی بات ہے۔اس لئے یہیں کھیلو، کودو، کھاؤ، پیو، مرجاؤ یہی کچھ تو ہے ہمارے مقدّر میں۔ایسے لوگوں کو آپ نیکی کی طرف بلا نہیں سکتے کیونکہ اس کے آخر پر خدا نے یہی نتیجہ نکالا فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ جو اس قسم کی گمراہیوں میں مبتلا ہو جائیں ان کو اللہ کے بعد ہدایت دے کون سکتا ہے؟

اور دوسری اس دعا میں جو ہمیں آنحضرت ﷺ کی طرف سے سکھائی گئی اور جمعہ کے وقت بھی ہم وہ دعا پڑھتے ہیں وہ دعا ہے۔ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيات اعمالنا اے خدا ہم تیری پناہ میں آتے ہیں۔من شرور انفسنا اپنے نفس کے شرور سے ومن سيات اعمالنا اور خود اپنے ہی اعمال کی بدیوں سے۔اب یہاں باہر کے خطرات کا کوئی ذکر نہیں حالانکہ باہر سے بھی خطرات انسان کو درپیش ہوتے ہیں۔وہ پہلی آیت جس کی میں نے تلاوت کی تھی اس کے بعد والی آیت سے تعلق رکھتے ہیں اس کی طرف میں ابھی نہیں آرہا۔جہاں نفس کے اندھیروں کا تعلق ہے اس کے تعلق میں ہمیں یہ دعا سکھائی گئی ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيات اعمالنا اگر ایسا نہ ہو تو کیا ہے ومن يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له جسے اللہ ہدایت دے

اسے پھر کوئی گمراہ نہیں کرسکتا۔ ومن یضللہ فلا ھادی لہ جسے خدا گمراہ ٹھہرا دے پھر اس کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔

یہ لا ھادی لہ والا مضمون ہے جو اس آیت میں بیان فرمایا ہے جو ایسا شخص ہو کہ اَضَلَّہُ اللّٰہُ جسے اللہ نے گمراہ ٹھہرا دیا ہو ان حرکتوں کی وجہ سے فَمَنْ یَّهْدِیْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ تو اللہ کے بعد ہے کون جو پھر اس کو ہدایت دے سکے۔ تو ایسی دنیا جہاں مادہ پرستی کے اندھیروں نے قوم کو ڈھانپ لیا ہو اور ہر طرف سے مادہ پرستی اور اس کے مشاغل میں انسان اپنی ساری زندگی کھو یا رہا ہو، اس کے سوا کچھ دکھائی نہ دے، ان سے آپ مذہب کی باتیں کریں مرنے کے بعد کے قصے سنائیں یہ بالکل بے کار بات ہے دیوار سے باتیں کرنے والی بات ہے۔ ان کے کانوں میں تو پڑ ہی کچھ نہیں سکتا۔ ان کا کیا علاج ہے؟ ان کا علاج یہ ہے کہ ان کے لئے دعا لازم ہے۔ جب تک دعا کے ذریعے خدا تعالیٰ سے مدد طلب نہ کریں اس وقت تک ان کی آنکھیں کھل نہیں سکتیں۔ اس لئے وہاں بھی مایوسی کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ قرآن کریم نے فرمایا ہے اللہ کے سوا کوئی ہدایت نہیں دے سکتا، تمہیں اختیار نہیں ہے، تم ان کی آنکھیں نہیں کھول سکتے، لیکن اللہ کھول سکتا ہے۔

اسی تعلق میں ان ماں باپ کو میں نصیحت کرتا ہوں جو اپنے بچوں میں سے بعض کے متعلق سخت مایوس ہو جاتے ہیں۔ کوئی ذریعہ نہیں ان کے پاس رہتا وہ سمجھا کے بلا سکیں۔ ان کے ہاں پیدا ہوئے، نیک باتیں سنیں اور بعض ایسے بدنصیب نکلتے ہیں کہ اچانک ان سب باتوں سے ایمان اٹھ جاتا ہے اور وہ مادہ پرستی کے پیچھے دوڑنے لگتے ہیں، اسی سے متأثر ہو جاتے ہیں، اسی سے مغلوب ہو جاتے ہیں اور پھر مائیں کہتی رہتی ہیں ویلک تجھے کیا ہو گیا ہے، کیوں اپنے آپ کو ہلاک کر رہا ہے، خدا کی طرف آ۔ کوئی توجہ نہیں دیتے کیونکہ ان کی آنکھیں بھی اندھی ہو چکی ہیں ان کے کان بھی بہرے ہو چکے ہیں ان کے دل سوچنے کی طاقت سے عاری ہیں۔ ایسے لوگوں کے لئے دعا کرنی چاہئے اور دعا اگر سنجیدگی سے ہو اور توکل کے ساتھ ہو تو غیر معمولی طاقت رکھتی ہے کیونکہ پھر آپ کی تدبیر، تقدیر کے ساتھ آسمان سے اترتی ہے ورنہ دنیا کی تدبیر آسمانی تقدیر کے خلاف کچھ بھی کر نہیں سکتی، کوئی نتیجہ پیدا نہیں کرسکتی۔ اس لئے یہ فرمایا گیا ہے کہ اللہ کے ہاتھ میں ہدایت موجود ہے، ابھی تک پر تمہارے ہاتھ میں نہیں رہی تمہارے بس کا روگ نہیں رہا۔ یہ لوگ اگر کبھی ہدایت پائیں

گے تو خدا کے فضل سے پائیں گے ورنہ نہیں۔

پس مردوں کو زندہ کرنا اس کو کہتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں، حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں، وہ صدیوں سے جو قبروں میں دبے پڑے تھے وہ زندہ ہو گئے۔ وہ کیا بات ہوئی، کیا ماجرا گزرا، فرمایا ایک فانی فی اللہ کی دعائیں ہی تو تھیں۔ وہاں یہ نہیں فرمایا کہ تعلیم، کتاب تھی یا حکمتیں بیان کرنے کا طریق تھا جس کی وجہ سے وہ گڑے مردے جو صدیوں سے مرے پڑے تھے وہ زندہ ہو گئے۔ دیکھیں ایک عارف باللہ ہی ایک عارف باللہ کی حقیقت کو سمجھتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو فرمایا وہی حق ہے اس کے سوا اور کوئی حق نہیں کہ نہ نصیحت کام آئی، نہ دلائل کام آئے اور نہ تلوار نے کام کیا جیسا کہ مودودی کو دکھائی دیا۔ اگر کام آئیں تو دعائیں کام آئیں۔ فرمایا یہ جو عجیب معجزہ تم نے بیابان عرب میں رونما ہوتے دیکھا وہ ایک فانی فی اللہ کی دعائیں ہی تو تھیں۔

پس جہاں تک ہماری اگلی نسلوں کا تعلق ہے جو ان اندھیروں میں مبتلا ہو چکی ہیں جن کا قرآن کریم میں ذکر ہے، یہ اللہ کا احسان ہے کہ نسبتاً بہت کم ہیں، مگر مغربی دنیا میں خاص طور پر دنیا کی چمک دمک سے مرعوب ہو کر ایک غیر معاشرے میں زندگی بسر کرتے ہوئے یہاں کے ٹیلی ویژن وغیرہ کے نظام سے متاثر ہو کر بعض دفعہ یہاں پیدا ہونے والے بچے اندر ہی اندر گھلتے رہتے ہیں۔ پیشتر اس کے کہ ان کی آنکھیں اندھی ہوں لازم ہے کہ ان کی فکر کی جائے اور محسوس کیا جائے کہ بیماری کیا ہے اور کہاں تک پہنچی ہے۔ اندھے ہونے سے پہلے پہلے ان کو روکنا ہمارے بس میں ہے۔ اگر اندھے ہو ہی چکے ہوں تو پھر یہ بھی سوال ہے کہ کیا تینوں رستے بند ہو گئے ہیں۔

اب دیکھیں قرآن کریم کی حکمت کا بیان کہ تین رستوں کے لئے الگ الگ بیماریاں بیان فرمائی ہیں۔ کان کا رستہ ایک نور کا رستہ ہے۔ آنکھ کا رستہ ایک نور کا رستہ ہے اور تذکیر کی قوت اور فکر کی قوت جو ماحصل کو آپس میں ملا کر نئے نتائج پیدا کرتی ہے اس کو دل کی قوت کہا جاتا ہے، وہ بھی ایک نور کا رستہ ہے۔ ورنہ ایک شخص جس کے دماغ میں نتائج اخذ کرنے کی قوت نہ ہو وہ دیکھتا بھی ہے تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ وہ سنتا بھی ہے تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ بعض بیمار ایسے ہیں ان کی اطلاع دیتے ہیں کہ آنکھیں تو کھول لی ہیں، آواز بھی آ رہی ہے مگر کچھ پتا نہیں کہ کیا سن رہا ہے اور کیا دیکھ رہا ہے۔

تو خدا کے کلام کی شان دیکھیں کس طرح ان تینوں کو آپس میں اکٹھا کر کے ایک واحد مضمون پیدا فرمایا ہے۔ فرمایا ہے روشنی کے یہ تین رستے ہیں ان کے بغیر مکمل نہیں ہوتی روشنی۔ ان میں سے ایک بھی نہ ہو تو کمی آجائے گی۔ مگر کوئی بھی نہ ہو تو پھر تمہارا کیا بس ہے کہ تم اسے ٹھیک کرلو۔ اسی کو موت کہتے ہیں۔ جب مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ صدیوں کے گڑے ہوئے مردے زندہ کر دیئے تو یہ موت کی علامتیں پیدا ہو چکی تھیں اس عرب میں جس میں آنحضرت ﷺ کا نور ظاہر ہوا ہے۔ اندھیروں میں آپؐ نے قدم رکھا ہے اور اندھیروں کو روشنیوں میں تبدیل فرمایا ہے۔ وہ ذاتی کوشش سے، علم کی کوشش سے، تقریری کوشش سے، تحریری کوشش سے ممکن نہیں تھا۔ فرمایا ایک **فانی فی اللہ** کی راتوں کی دعائیں ہی تو تھیں۔

پس وہ لوگ جو اس مضمون کی انتہائی ظلمت کے کنارے تک جا پہنچے ہیں ان کو بھی ہم نے بلانا ہے خواہ وہ ہمارے علاوہ ہوں یا ہمارے اندر کے بسنے والے لوگ ہوں، ہمارے گھر کے بچے ہی کیوں نہ ہوں۔ اگر یہ حالت پہنچ گئی ہے سنتے بھی نہیں ہیں اور سوچتے بھی نہیں ہیں اور دیکھنے سے ویسے ہی عاری ہو چکے ہیں تو آپ کیسے ان کو ہدایت دیں گے۔ میرے سامنے مسئلے لاتے ہیں، میں کہتا ہوں یہ وقت گزر چکا ہے اب، تمہیں جلدی ہوش چاہئے تھی۔ اس وقت بیمار کو لے کے آئے ہو جب آنکھیں کھلی ہیں مگر دکھائی نہیں دے رہا، کان موجود ہیں مگر سنائی نہیں دے رہا، قوت فکر سے خالی ہو گیا، موت اور کہتے کس کو ہیں پھر؟ تو موت کا تو کوئی علاج نہیں۔ مردہ کو کوئی زندہ نہیں کر سکتا مگر اللہ اور ظاہری مردے تو وہ اس دنیا میں زندہ نہیں کرتا مگر روحانی مردوں کو ضرور زندہ کرتا ہے ورنہ قرآن کریم کے یہ مضامین اور بار ہا اس کے تذکرے بالکل بے معنی اور لغو ہو جائیں گے اور ہو نہیں سکتا کہ قرآن کریم کسی مضمون کو محض لغو قصوں کے طور پر بیان فرمائے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ابراہیمؑ نے بھی تو سوال کیا تھا۔ رَبِّ اَرِنِیۡ کَیۡفَ تُحۡیِ الۡمَوۡتٰی (البقرہ: 261) اے میرے خدا! بتا مردوں کو تو کیسے زندہ کرے گا یہ مردے کیسے زندہ ہوں گے؟ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ایک طریق سکھایا جس کے متعلق میں پہلے اس سے ایک خطبے میں روشنی ڈال چکا ہوں۔ اب وہ ظاہری مردے مراد نہیں تھے روحانی مردے تھے اور وہ مردے ایسے ہیں جو ایک صاحب فہم، صاحب عقل انسان دیکھ کر یہی فیصلہ کرتا ہے کہ یہ ہمارے بس کی بات نہیں ہے۔

آج ہمارے اردو کے سوال و جواب کے موقع پر بھی یہی سوال اٹھایا گیا ایک دوست کی طرف سے کہ تبلیغ پہ آپ نے بڑا زور دیا ہے مگر یہ بتائیں کہ جس سے بات کرو جس کو دنیا کی ہوش اور لالچ کے سوا دلچسپی کوئی نہ ہو اس کو کس طرح ہم بلائیں، کیسے سمجھائیں، کون سی آواز دیں جو اس کے کانوں کے پردوں کے پار اتر سکے جہاں مہریں لگی ہوئی ہیں۔تو ان کو بھی میں نے ایک جواب دیا۔اب میں اس مضمون کو خاص طور پر اس حوالے کی وجہ سے زیادہ اٹھا رہا ہوں کیونکہ آج صبح کی ابھی چند گھنٹے پہلے کی یہ تازہ تازہ بات ہے۔اس کا اصل علاج دعا ہے۔یا فیصلے میں جلدی سے پہلے آپ غور کریں کہ کیا سارے نور کے رستے بند ہو چکے ہیں یا کچھ کچھ رمق باقی ہے۔اگر رمق باقی ہو تو وہ زندہ ہے مردہ نہیں ہے۔رمق باقی ہو تو اس سے فائدہ اٹھا کر اس کے بچنے کے، اس کی شفا کے سامان کئے جا سکتے ہیں۔ پس اول دعا کا ذریعہ ہے اس سے غافل نہیں ہونا چاہئے۔جس میں دلچسپی ہو اور اپنوں کا چونکہ زائد حق ہوتا ہے دوہرا تہرا حق ہوتا ہے، اپنوں کے لئے خصوصیت سے یہ دعا کرتے رہنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ان کو ان اندھیروں کی مار سے بچائے کہ روشنی کی کوئی بھی راہ باقی نہ رہے، دیکھتے دیکھتے زندوں سے یہ مردوں میں نکل جائیں اور اگر نکل بھی جائیں تو مایوسی نہیں کرنی چاہئے۔رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی کی دعا کو یاد کرو۔یاد کرو کہ کس طرح ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا مانگی تھی اور کس طرح اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ کے ہاتھوں یہ معجزہ دکھا دیا۔کس طرح ایک نبیؑ نے ایک اجڑی ہوئی بستی کو دیکھا اور یہی سوال دہرایا کہ اے خدا یہ مرے ہوئے کیسے زندہ ہوں گے۔یہ اس وقت کی بات ہے جب کہ خدا کے ایک نبی عزرا اس بستی سے گزرے جسے یروشلم کہا جاتا ہے، اس حالت میں گزرے جب کہ ایک بادشاہ نے اسے کلیۃً برباد کر دیا تھا، کچھ بھی باقی نہیں چھوڑا تھا۔ Soloman's Temple بھی Completely Destroy ہو کر یعنی کلیۃً منہدم کر دیا گیا اور ایک ملبے کا ڈھیر بن گیا۔چھتیں گر پڑیں، کھوکھلی دیواریں کھڑی تھیں۔اس نے دیکھا اس نے کہا اے خدا تو نے زندہ تو کرنا ہے ان کو، تیرے وعدے ہیں، مگر کیسے زندہ ہوں گے۔تب اللہ تعالیٰ نے اسے سو سال کی خواب دکھائی اور عجیب لطف کی بات ہے قرآنی فصاحت و بلاغت ہے جسے نہ سمجھنے کی وجہ سے ایک نہایت شاندار مضمون سے ایک نہایت بدزیب مضمون لوگ نکال لیتے ہیں۔فرمایا خود اسے سو سال کی موت دی، پتا لگے کہ زندہ ہوتے کیسے ہیں سو سال میں اور اس نیند کی حالت میں تمام

سوسال کے واقعات جو گزرنے تھے اور جس کے بعد ایک عجیب انقلاب برپا ہونا تھا، ان لوگوں نے جی اٹھنا تھا، اس بستی نے دوبارہ زندہ ہو جانا تھا، وہ اسے سمجھائے اور سمجھانے کے بعد پھر یہ غلط فہمی دور کرنے کی خاطر کہ کہیں وہ یہ نہ سمجھے کہ واقعۃً سوسال کے مرے ہوئے جئیں گے۔ فرمایا اپنے گدھے کو دیکھ لے اسی طرح کھڑا ہے کچھ بھی نہیں ہوا اس کو۔ اپنے کھانے کو دیکھ اگر واقعۃً سوسال ہوتے تو سڑ بُس جاتا۔ اسی طرح تازہ کا تازہ ہے۔ تو جو ہم تجھے سمجھا رہے ہیں یہ تمثیلات ہیں۔ یہ مری ہوئی بستی ضرور زندہ ہوگی جیسا کہ تجھے رؤیا میں دکھایا گیا اور واقعہ یہ ہوا کہ اس واقعہ کے سوسال کے اندر اس عظیم بادشاہ نے جس کے متعلق بائبل میں ذکر ملتا ہے کہ اس نے بنی اسرائیل کو دوبارہ زندہ کر دینا تھا جس نے اس اجڑے ہوئے شہر کو آباد کرنا تھا۔ خورس بادشاہ تھا جس کا ذکر یسعیاہ میں ملتا ہے جس کے متعلق خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ تم میں سے نہیں ہے مگر میں اس سے کلام کروں گا اور اس کا ملہم ہونا قرار دیا اور یہ بتایا کہ اس کے ذریعے جو اسرائیل کی اجڑی ہوئی رونق ہے وہ دوبارہ قائم کی جائے گی۔ بنو کدنضر کے برعکس یہ بادشاہ خدا ترس تھا۔ غیر معمولی طور پر بنی نوع انسان کی خیر خواہی کرنے والا تھا۔ ایسا بادشاہ تھا جس کی ایسی تعریف مؤرخین نے کی ہے کہ اس کی کوئی مثال کہیں دکھائی نہیں دیتی۔ ایک بادشاہ ہے جس میں ہر پہلو سے وہ تعریف دیکھتے ہیں، ایک بھی گند نہیں نکال سکے۔ یہ وہ خورس ہے۔ تو خورس نے اس کے سوسال کے بعد اس کو آباد کر دیا اور اس کی کھوئی ہوئی رونقیں واپس آ گئیں Soloman's Temple دوبارہ بنایا اور بائبل کی از سر نو تدوین ہوئی اس کے نتیجے میں۔ خورس کے زیر اثر ایسے اہل ایران کے علماء پیدا ہوئے جنہوں نے اپنے آپ کو بائبل کے ترجموں کے لئے وقف کیا اور ایسی زبان میں جو فارسی اثر کے تابع Hebrew کے ساتھ مل کر ایک نئی زبان بنی تھی اس میں تراجم کئے گئے، بہت بڑی خدمت ہوئی ہے۔ مگر یہ مرنے کے بعد زندہ ہونے کی بات ہو رہی ہے اور ان معنوں میں خدا زندہ کیا کرتا ہے۔ جہاں سب امیدیں خطا ہو جائیں کوئی امید کی راہ باقی نہ رہے ایک قوم کے متعلق کہہ دیا جائے کہ مرگئی، کھپ گئی، ختم ہوگئی، پھر بھی خدا زندہ کر سکتا ہے اور ایسے معجزے پہلے دکھا چکا ہے۔

پس آنحضرت ﷺ کی امت جس کے نبی کو خدا تعالیٰ مردوں کو زندہ کرنے والا قرار دیتا ہے، جس کی تعریف یہ فرمائی گئی کہ اے دنیا کے مُردو جب یہ تمہیں اپنی طرف بلائے کہ تمہیں زندہ کرے تو تم

اٹھ کھڑے ہوا کرو اس کی آواز پر لبیک کہا کرو۔ ایسے نبی کی امت کے متعلق جب یہ حالات پیدا ہو جائیں تو ہرگز مایوسی کا کوئی سوال نہیں۔ پس پہلے تو میں آپ کو مغربی دنیا میں تبلیغ کے متعلق توجہ دلاتا ہوں کہ وہاں بھی خواہ کس حال کو یہ لوگ پہنچ چکے ہوں یاد رکھیں کہ دعاؤں کی برکت سے مردے پہلے بھی زندہ ہوئے، آج بھی ہو سکتے ہیں، کل بھی ہوں گے۔

اور جہاں تک امت مصطفیٰ ﷺ کا تعلق ہے خواہ وہ نام ہی کی کیوں نہ ہو، منسوب محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف ہوتے ہیں ان کے متعلق آج کل یہ عام چرچا ہے کہ وہ تو گئے اور احمدی کی بات نہیں غیر احمدی دانشور بڑے بڑے لکھنے لگے ہیں کہ کوئی زندگی کے آثار باقی نہیں رہے، آئے دن ایسے مضامین چھپتے ہیں کیا باقی رہا ہے سوائے نام کے۔ ان کے متعلق بھی کسی احمدی کو زیب نہیں دیتا کہ ان سے مایوس ہو جائے اور یہ کہہ دے کہ ان کے دن گنے گئے اور یہ ہمیشہ کے لئے مٹی میں غرق ہو گئے۔ اگر بنی اسرائیل کے سو سالہ گڑے مردوں کو خدا اٹھا سکتا ہے، اگر عرب کے مشرکوں کے سینکڑوں سال کے گڑے ہوئے مردوں کو خدا زندہ کر سکتا ہے تو آنحضرت ﷺ سے دعاؤں کے گر سیکھتے ہوئے، ان کے لئے دعائیں کریں اور بڑے الحاح اور یقین سے دعائیں کریں تو دیکھو یہی جی اٹھیں گے، ان کے کان سننے لگیں گے۔ ان کی آنکھیں دیکھنے لگیں گی، ان کی زبانیں بولنے لگیں گی، ان کے دلوں میں غور و فکر کی صلاحیتیں جاگ اٹھیں گی اور قوم کے دن پھر سکتے ہیں اور پھریں گے انشاء اللہ۔ مگر پہلے اپنے دن پھیریں۔ اپنی آنکھوں سے ان پردوں کو دور کریں جن کا ذکر قرآن کریم میں بیان ہوا ہے۔ اپنے کانوں سے ان بوجھوں کو نکالیں جو آپ کی سماعت پر بد اثر ڈال رہے ہیں اور اپنے دلوں سے ان مَیلوں کو دھوئیں جو مَیلیں آپ کے دلوں میں سوچنے اور سمجھنے کی طاقتوں کو مدھم کر دیتی ہیں یا دھندلا دیتی ہیں یا بعض دفعہ ایسا اُلجھا دیتی ہیں کہ تاریکی ہی تاریکی رہ جاتی ہے، حقیقی سوچ کا مادہ دل سے نکل جاتا ہے۔

یہ جو دوسرا حصہ ہے اس آج کے خطبے کا اس کے متعلق میں انشاء اللہ اگلے خطبے میں کچھ مثالیں دے کر آپ پر بات کھولوں گا۔ محض یہ کہہ دینا کافی نہیں کہ اپنی آنکھوں سے پردے ہٹاؤ، اپنے کانوں سے بوجھ نکالو۔ مثالیں دے کر، روزمرہ کی زندگی کے تجربے آپ کے سامنے رکھ کر بتانا ہوگا کہ یہ بدیاں ہیں جو ہمارے اندر راہ پا رہی ہیں ان سے اپنے آپ کو چھڑائیں ورنہ یہ تین قسم کی

بدیاں، تین صلاحیتوں کے اوپر حملہ آور ہیں۔ لہو ولعب، زینت اور تفاخر اور کثرت اموال اور اولاد کی تمنائیں جب یہ معبود بن جائیں تو پھر یہ اندھیرے ہیں جوان تینوں صلاحیتوں پر چھا جاتے ہیں۔ پھر آپ کے دیکھنے کی طاقت بالکل سلب ہو جاتی ہے کچھ بھی آپ نہیں کر سکتے اسی کا دوسرا نام موت ہے۔ پس دعائیں کریں ان کے لئے جن کو آپ زندہ کرنا چاہتے ہیں۔ دعائیں ان کے لئے کریں جن کے معاشرے میں آج بہت سے احمدی اپنے وطن کو چھوڑ کر آ بسے ہیں اور ان کے اندھیروں کے رحم وکرم پر پڑے ہوئے ہیں۔ روشنی دکھائی دے رہی ہے اور عَلٰی عِلۡمٍ ہونے کے باوجود وہ اندھیرے ہیں ان سے سب سے زیادہ ڈرنے کی ضرورت ہے۔ ان سے ڈرنا سب سے اہم ہے کیونکہ وہ روشنی کے اندھیرے ہیں، یہ میں آپ کو سمجھانے کی بات کر رہا ہوں۔ عَلٰی عِلۡمٍ ہیں۔ جانتے بوجھتے ہوئے یہ برائیاں ہیں پھر بھی آپ کو وہ روشنیاں دکھائی دے رہی ہیں ان کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔

تو اس سلسلے میں جب آپ تبلیغ کا حق ادا کرنے کی کوشش کرتے ہیں مایوسی کے کئی مراحل سامنے آتے ہیں جب سمجھتے ہیں کہ آگے رستہ ہی کوئی باقی نہیں رہا۔ ان باتوں کو یاد رکھیں کہ یہ سارے مراحل دعا کے ذریعے طے ہوں گے اور رکی ہوئی نبضیں پھر چل پڑیں گی ایسے دوست جن سے آپ کو کلیتۂ مایوسی تھی وہ از خود جاگ اٹھیں گے اور یہ بات حقیقتۂ دنیا کے مختلف کونوں سے جہاں داعی الی اللہ نئے جوش کے ساتھ اٹھ رہے ہیں لوگ مجھے لکھ رہے ہیں۔ ایک دفعہ نہیں، دو دفعہ نہیں۔ بارہا یہ باتیں سامنے آتی ہیں۔ ایک شخص کہتا ہے کہ فلاں شخص تھا اس پر ہم نے اس طرح توجہ دی، یہ کوشش کی، بالکل پتھر کی طرح تھا جس سے سر ٹکرانے سے اپنے آپ کو نقصان پہنچے اور اس پتھر پہ کوئی اثر نہ پڑے لیکن ہم نے دعائیں کیں اور اب یہ واقعہ ہوا ہے اور حیرت ہوتی ہے دیکھ کر کہ کس طرح خدا نے اس شخص کا دل بدلا ہے۔ کس طرح اس کی تقدیر جاگ اٹھی اور اچانک وہ جو دشمن تھا وہ احمدیت کا فدائی دوست بن گیا۔ یہ دعاؤں کی برکت سے ہوا ہے۔ ایک دفعہ نہیں بارہا یہ ہو چکا ہے اور بارہا اس کی قطعی واضح اطلاعیں مجھے ملتی ہیں اس لئے میں کوئی فرضی کہانی آپ کے سامنے نہیں رکھ رہا بلکہ تجربے میں آئی ہوئی، یہ مجرب نسخہ ہے جو میں آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں۔ تو دعائیں کریں اور دعاؤں کے دامن میں، دعاؤں کے سہارے سے دعوت الی اللہ کے میدان میں آگے بڑھیں۔

پھر جو ابھی آپ کو کھوئے ہوئے دکھائی دے رہے ہیں، جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جماعت کے نونہال آپ کو ضائع ہوتے دکھائی دے رہے ہیں ان کی فکر کریں۔ یہ نہ ہو کہ دوسروں کو زندہ کر رہے ہوں اور اپنے ہاں قبرستان بن رہے ہوں۔ بہت ضروری ہے کہ ان کی فکر کریں اور پھر سب سے زیادہ اُمت محمدیہ کی فکر کریں جو کم سے کم نام کے ساتھ تو آنحضرت ﷺ سے وابستہ ہیں ان کی زندگی کی دعائیں مانگیں، ان کی زندگی کے لئے جو چارہ آپ کے بس میں ہو کریں اور پھر آخر پر اپنے اندر بھی نگاہ ڈالیں۔ غور کریں کہ آپ کی ذات جو آپ کو روشن دکھائی دے رہی ہے اس میں کہیں اندھیرے تو نہیں لپٹے ہوئے۔ تب آپ کو سمجھ آئے گی کہ روشنیوں کے لباس میں اندھیرے لپٹے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں یہ بصیرت عطا فرمائے، سمجھ اور غور کی طاقت بخشے، ہمارے کان بھی سننے والے ہوں، ہماری آنکھیں بھی دیکھنے والی ہوں، ہمارے دل بھی غور کرنے والے ہوں اور ہم حقیقت میں مردوں کو زندہ کرنے کا ذریعہ بن جائیں اللہ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین